تنظیمِ اسلامی کا پیغام

نظامِ خلافت کا قیام

مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

منتخب نصاب نمبر 2

درس - 5

اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کی ہیئتِ ترکیبی اور تنظیمی اساس

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی

درس ۵

اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کی ہیئتِ ترکیبی اور تنظیمی اساس

انجینئر نوید احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ م بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ج فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ﴿۱۴﴾﴾ (الصف)

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾

(الفتح: ۲۹)

﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾ (التوبہ)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ج فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ج وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۰﴾﴾ (الفتح)

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾﴾ (الفتح)

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾﴾ (الممتحنہ)

☆تمہیدی نکات:

۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ پنجم سورۃ الصّف آیت ۱۴، سورۃ الفتح آیت ۲۹ کے ابتدائی حصہ، سورۃ التوبہ آیت ۱۱۱، سورۃ الفتح آیات ۱۰ اور ۱۸ اور سورۃ الممتحنہ آیت ۱۲ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

۲) منتخب نصاب نمبر۲ کے درسِ اوّل میں چند مقاماتِ قرآنی کے ذریعہ دینی فرائض کا جامع تصور واضح کیا گیا۔ درسِ دوم میں دینی فرائض میں سے خاص طور پر اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کی فرضیت کو نمایاں کیا گیا۔ درسِ سوم میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے مقصد یعنی قیامِ عدل کی وضاحت کی گئی۔ درسِ چہارم میں موجودہ بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں اقامتِ دین کے طریق کار اور اِس حوالے سے آخری اقدام کو واضح کیا گیا۔ اب درسِ پنجم میں ہم اُس جماعت کی اساس، ہیئتِ ترکیبی اور نظم کے تقاضوں کو سمجھیں گے جو اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے قائم کی جاتی ہے۔

آیات پر غور و فکر

سورۃ الصّف آیت ۱۴

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو'' ...... ﴿کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ﴾ ''اللہ کے مددگار بن جاؤ'' ﴿کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوٰرِیّٖنَ﴾ ''جیسا کہ پکارا تھا مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کو'' ...... ﴿مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ﴾ ''کون ہیں میرے مددگار اللہ کے لیے؟'' ...... ﴿قَالَ الْحَوٰرِیُّوْنَ﴾ ''ساتھیوں نے کہا'' ...... ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ ''ہم ہیں اللہ کے مددگار'' ...... ﴿فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ م بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ''تو ایمان لے

آیا ایک گروہ بنی اسرائیل میں سے" ...... ﴿وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ﴾ "اور انکار کر دیا ایک گروہ نے" ...... ﴿فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ﴾ "تو ہم نے مدد کی اُن لوگوں کی جو ایمان لائے تھے اُن کے دشمنوں کے خلاف" ...... ﴿فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ﴾ "پھر وہ غالب ہو گئے"۔

سورۃ الصّف کی اِس آیت میں ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کے الفاظ سے ہمیں یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے اجتماعیت کیسے وجود میں آتی ہے۔ اِس اجتماعیت کی اساس یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھ کر ایک آواز لگاتا ہے: مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ؟ "کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟"۔ جب تک نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری تھا یہ پکار اللہ کے رسول لگاتے تھے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اب غلبۂ دین کی جدوجہد اُمتیوں نے کرنی ہے۔ اِس جدوجہد کے لیے کسی اجتماعیت کے وجود میں آنے کی صورت یہی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ پہلے کسی ایک بندے کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ یہ کام کرنا ہے۔ پھر وہ اِس کام کے لیے کھڑا ہو گا اور داعی بن کر لوگوں کو پکارے گا۔ جو لوگ اُس کی اِس پکار پر لبیک کہہ کر حاضر ہوں گے وہ اُس کے ساتھی اور مددگار ہوں گے۔ داعی امیر ہو گا اور ساتھ دینے والے مامور۔ البتہ اب امیر کے ساتھ ایک نسبت قائم کرنے کے لیے مامورین کو ایک عہد کرنا ہو گا۔ اِس عہد کو بیعت کہتے ہیں، جس کا ذکر اگلی آیات میں آئے گا۔

اِس آیت میں اہلِ ایمان کو بہت بڑا اعزاز دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جہاد کریں گے تو اللہ کے مددگار قرار پائیں گے۔ کہاں اللہ اور کہاں انسان! اللہ جو چاہے سو کر سکتا ہے، لیکن ہمارے امتحان کے لیے اُس نے دین کے تقاضے رکھے ہیں۔ اب جو کوئی اِن تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اللہ کا مددگار قرار پائے گا۔ سچے اہل ایمان نہ صرف خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند ہوتے ہیں بلکہ عالمِ واقعہ میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ مال و جان کھپانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کی قدر افزائی کی جاتی ہے اور اللہ اُنہیں اپنا انصار قرار دیتا ہے۔ بندے کے لیے اِس سے بڑھ کر اور کوئی اونچا مقام نہیں ہو سکتا۔

سورۃ الفتح، آیت ۲۹

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں" ...... ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ "اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں (یہ سب کے سب ایک جماعت ہیں)" ...... ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ "وہ کفار پر سخت ہیں" ...... ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ "آپس میں بڑے رحم دل ہیں"۔

سورۃ الفتح کی آخری آیت کا یہ حصہ ہمیں اجتماعیت کے حوالے سے مزید رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں جن باسعادت ہستیوں نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی، وہ فطری طور پر آپ ﷺ کے ساتھی بن گئے۔ اُن کے بارے میں کہا گیا ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ "اور وہ لوگ جو اُن (ﷺ) کے ساتھ ہیں"۔ اُنہوں نے آپ ﷺ کی رفاقت اختیار کر کے ایک اجتماعیت کی صورت اختیار کر لی۔ آپ ﷺ کے ساتھ اُن کی اوّلین نسبت قائم ہو گئی، نبی اور اُمتی کی۔ البتہ ایک اضافی نسبت امیر اور مامور کی بھی قائم ہو گئی۔ اِس اضافی نسبت کو نمایاں کرنے والی چیز جو ہمیں قرآن و سنت سے ملتی ہے، اُس کا عنوان "بیعت" ہے۔ اب اس بیعت کے سلسلے میں ہمیں سمجھنا ہے کہ اِس کی اصل اور اِس کا مفہوم کیا ہے؟ قرآنِ حکیم میں بیعت کا ذکر کہاں کہاں آیا ہے؟ بیعت کی کتنی اقسام ہیں؟ سیرت النبی ﷺ میں اِس بیعت کا کس تدریج کے ساتھ ذکر ملتا ہے؟

سورۃ التوبۃ، آیت ۱۱۱

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ "بے شک اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں جنت کے بدلہ میں" ...... ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں" ...... ﴿فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ "پس قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں" ...... ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ﴾ "یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں" ...... ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ "اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کا پورا کرنے والا ہو بھی کون سکتا ہے؟" ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ﴾ ...... "پس خوشیاں مناؤ اپنے اُس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے!" ...... ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾ "اور وہی ہے سب سے بڑی کامیابی"۔

سورۃ التوبۃ کی یہ آیت بیعت کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اِس آیت میں اُس سودے کا ذکر ہے جو ایک شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ کے ساتھ کرتا ہے۔ اِس سودے کے لیے بیع کا لفظ آیا ہے، جس سے لفظ بیعت بنا ہے۔ بیعت کا لفظ "ب ی ع" سے بنا ہے۔ عام طور پر عربی میں "بیع" کا لفظ بیچنے اور "اِشْتِرَاء" کا لفظ خریدنے کے معنی میں آتا ہے۔ بائع (بیچنے والا)

اور مشتری (خریدار) کے الفاظ ہمارے ہاں عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ البتہ لفظ ''بیع'' صرف سودے یا لین دین کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا سودا جو فوری نہ ہو بلکہ ادھار کا ہو تو اِسے ''بیع سَلم'' کہا جاتا ہے۔ بیع سَلم میں ایک فریق اپنا حصہ فوری ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق مستقبل میں۔ اِس آیت میں اللہ اور اہل ایمان کے درمیان بیع سلم کا ذکر ہے۔ فرمایا: ''یقیناً اللہ نے اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں''۔ یہ سودا نقد نہیں ادھار کا ہے۔ جنت تو آخرت میں ملے گی' جبکہ جان و مال یہاں اللہ کی راہ میں لگانے ہوں گے۔

عربوں کے ہاں جب بیع کا معاملہ ہوتا تھا تو چونکہ یہ بات قول و قرار کے درجے میں ہوتی تھی' لہٰذا اِس کو پختہ کرنے کے لیے ہاتھ ملانا اُن کے ہاں ایک علامت کے طور پر رائج تھا۔ جب کوئی سودا طے ہو جاتا اور بات پوری ہو جاتی تو اِس پر وہ مصافحہ (hand shake) کرتے۔ اِس طرح سے مصافحہ کرنے کو بیعت کہا جاتا تھا۔ آیت کے آخر میں سودے کے لیے لفظ ''بیع'' آیا ہے۔ اِسی سے لفظ بیعت بھی بنتا ہے۔ بعض اوقات معاہدہ کسی ادارے کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اُس کے لیے ادارے کے نمائندہ سے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ معاہدے پر دستخط کے بعد مصافحہ یعنی بیعت نمائندہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اِسی طرح بندہ مومن کا سودا تو اللہ کے ساتھ ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہم سے غیب میں ہے۔ لہٰذا یہ سودا ہوگا اللہ کے نمائندہ یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی وساطت سے۔ اِسی لیے سورۃ الفتح آیت ۱۰ میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ﴾

''بے شک (اے نبی ﷺ) جو لوگ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں' وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔''

حق و باطل کا معرکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد باطل کے خلاف منظّم جدوجہد کے لیے اب بیعت کسی ایسے امتی کے ہاتھ پر ہوگی جس کے خلوص و اخلاص' دیانت اور قیادت کی صلاحیت پر اعتماد ہو' لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اصل عہد اُس اُمتی سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے۔

رسول کے علاوہ کسی اُمتی کے ہاتھ پر بیعت اور اُس کی اطاعت بھاری محسوس ہوتی ہے۔ لیکن نوٹ کیجیے کہ باطل کے خلاف کامیابی کے لیے منظّم جدوجہد ضروری ہے۔ اس کے لیے تنظیم کے قیام کی منصوص اور مسنون اساس بیعت ہی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رسول کے ساتھ نسبت کے حوالے سے بیعت کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ رسول اور اُمتی کی نسبت اِس سے اہم تر ہے۔ کسی ہستی کو رسول مان لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اُس کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے۔ بیعت کا معاملہ نبی اکرم ﷺ نے اُمت کی رہنمائی کے لیے کیا ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو اجتماعیت کے قیام کے لیے بیعت کی اساس ایک سنت کے طور پر عطا فرمائی۔ اقامت دین کے لیے اب جب بھی کوئی عملی جدوجہد ہوگی اور کوئی اجتماعیت تشکیل پائے گی تو اُس کے لیے بیعت کی اساس ہی مسنون قرار پائے گی۔

سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۱ میں بیعت کے علاوہ بیان شدہ دیگر مضامین کی وضاحت درسِ چہارم میں آ چکی ہے۔

سورۃ الفتح' آیت ۱۰

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ﴾ ''(اے نبیؐ!) جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے ہیں' حقیقت میں وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں''...... ﴿یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ﴾ ''اللہ کا ہاتھ ہے اُن کے ہاتھوں پر''...... ﴿فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ﴾ ''اب جو اِس عہد کو توڑے گا اُس کی عہد شکنی کا وبال اُسی پر ہوگا''...... ﴿وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۰﴾﴾ ''اور جس نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تو اللہ عنقریب اُسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''

◆ اِس آیت میں بیعتِ رضوان کا ذکر ہے جس کے ذریعہ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کا عہد کیا تھا۔ یہاں واضح الفاظ میں آگاہ کر دیا گیا کہ ایک مسلمان کا سودا اور عہد دراصل اللہ سے ہے۔ عالمِ واقعہ میں صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ سے بیعت کر رہے تھے لیکن اُن کی اصل بیعت اللہ سے ہے۔ بیعت لینے والے کا ہاتھ نیچے ہے' بیعت کرنے والے کا ہاتھ اوپر ہے' لیکن اِن ہاتھوں کے اوپر ایک اور ہاتھ ہے اور وہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو نظم قائم ہوا ہے اُس میں نبی اکرم ﷺ کی حیثیت امیر اور صحابہ کرامؓ کی حیثیت مامورین کی ہے۔ بیعت کرنے والے نبی اکرم ﷺ کے حکم پر جان اور مال حاضر کر دیں گے لیکن اُن کی قربانیاں درحقیقت اللہ کے لیے ہیں۔

◆ آیت میں مزید فرمایا: ﴿فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ......﴾ ''اب جو

اِس عہد کو توڑے گا اُس کی عہد شکنی کا وبال اُسی پر ہوگا''۔ عہد کا توڑنا اعلانیہ بھی ہوسکتا ہے اور یوں بھی کہ انسان اندر ہی اندر ٹوٹ رہا ہے' قول وقرار سے پھر رہا ہے اور پسپائی اختیار کر رہا ہے۔ جس طرح ایک ارتداد ظاہری ہوتا ہے اور اُس پر مفتی فتویٰ لگاتا ہے' قاضی سزا سناتا ہے اور حد جاری ہوتی ہے' اِسی طرح ایک ارتداد باطنی ہوتا ہے' جس پر مفتی کا فتویٰ یا قاضی کا حکم تو نہیں لگ سکتا لیکن یہ بدترین بیماری کا باعث ہوسکتا ہے' جس کا نام نفاق ہے۔ روزِ قیامت نفاق کی سزا کفر کی سزا سے بھی زیادہ شدید ہوگی۔ لہٰذا ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکتے رہنا چاہیے' کہیں اندر ہی اندر قول وقرار کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی؟ کہیں نفاق دیمک کی طرح ہمارے ایمان اور نیکیوں کو برباد تو نہیں کر رہا؟ عہد سے پھر کر ہم امیر کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ اِس جرم کا وبال ہم پر ہی پڑے گا۔ یہ وبال دنیا وآخرت دونوں کے خسارے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

◆ آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۱۰﴾ ''اور جس نے اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کیا تو اللہ عنقریب اُسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا''۔ اِن الفاظ سے ایک بار پھر واضح ہوا کہ بظاہر بیعت رسول اللہﷺ یا کسی داعی سے ہے لیکن درحقیقت یہ عہد اللہ سے ہے۔ عہد نبھایا تو شاندار بدلہ اللہ ہی دے گا اور اگر عہد شکنی کی تو اِس کا وبال بھی اللہ ہی کی طرف سے آئے گا۔ یہ ہے بیعت کی اصل حقیقت کہ جس سے ایک اجتماعیت وجود میں آتی ہے اور پھر امیر اور مامور کی نسبت قائم ہوتی ہے۔

سورۃ الفتح' آیت ۱۸

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ''اللہ تو راضی ہوگیا مؤمنوں سے''...... ﴿اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ﴾ ''جب وہ (اے نبیﷺ) آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے''...... ﴿فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ﴾ ''اللہ جانتا تھا اُسے جو کچھ کہ اُن کے دلوں میں تھا''...... ﴿فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ﴾ ''پس اللہ نے اُن کے دلوں پر سکینت نازل فرمائی''...... ﴿وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا﴾ ''اور انہیں جلد ہی فتح عنایت فرمادی۔''

اِس آیت میں اللہ نے اُن صحابہ کرامؓ کی تحسین فرمائی جنہوں نے آپﷺ کے ہاتھ پر بیعتِ رضوان کی سعادت حاصل کی اور اُنہیں اپنی خوشنودی عطا کرنے کی بشارت سنائی۔ اِس تحسین اور بشارت کی وجہ یہ تھی کہ یہ بیعت دراصل سیدھا موت کے منہ میں جانے کا عہد تھا۔

اس بیعت کو بیعت علی الموت بھی کہا جاتا ہے۔ نبی اکرمﷺ نے یہ پکار لگائی تھی کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ ہم قریش سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔ پھر یہ کہ صحابہ کرامؓ عمرہ کے لیے احرام باندھے ہوئے خالی ہاتھ آئے تھے' اُن میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک تلوار تھی۔ اِس صورتِ حال میں قریش سے لڑنا شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔ لیکن جیسے ہی نبی اکرمﷺ نے پکارا اُنہوں نے لبیک کہا اور جان دینے کے لیے تیار ہوگئے۔ اِسی لیے اللہ نے اُن کی بھرپور مدح سرائی فرمائی۔

آیت میں مزید فرمایا کہ اللہ جانتا تھا کہ شوقِ شہادت کے لیے کیسے جذبات اُن کے سینوں میں موجزن تھے اور شہادت کے حصول کی کیسی تمنائیں اُن کے دلوں میں مچل رہی تھیں' بقول جگر مراد آبادی:

جو حق کی خاطر جیتے ہیں' مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے' دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

پھر اللہ نے اُنہیں تسکین یعنی قلبی اطمینان عطا فرمادیا۔ وہ جانتے تھے کہ ہم نہتے ہیں۔ اگر ہم پر اچانک ہجوم ہوجائے' ایک دم حملہ ہوجائے تو کیا ہوگا؟ لیکن نہیں! اُنہیں اللہ کی طرف سے ایک اطمینان اور سکون کی کیفیت نصیب ہوگئی۔ اِس لیے کہ وہ تو جان دینے کا سودا پہلے سے کیے ہوئے تھے اور وہ اِس سودے پر بالکل مطمئن تھے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ اِس سے بڑا سودا کوئی نہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ نے اُنہیں بدلے میں قریبی فتح عطا فرمائی۔ اِس فتح سے مراد صلح حدیبیہ بھی ہوسکتی ہے جسے سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں ''فتح مبین'' قرار دیا گیا اور فتحِ خیبر بھی ہوسکتی ہے جو صلح حدیبیہ کے کچھ ہی عرصہ بعد حاصل ہوئی۔

سورۃ الممتحنۃ' آیت ۱۲

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ﴾ ''اے نبیؐ! جب آپؐ کے پاس مؤمن خواتین بیعت کرنے کے لیے آئیں''...... ﴿عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا﴾ ''اِس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی''...... ﴿وَلَا یَسْرِقْنَ﴾ ''اور چوری نہیں کریں گی''...... ﴿وَلَا یَزْنِیْنَ﴾ ''اور بدکاری نہیں کریں گی''...... ﴿وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی''...... ﴿وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ﴾ ''اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں

لائیں گی'' ...... ﴿وَلَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ﴾ ''اور کسی معروف کام میں جو حکم آپ دیں گے اِس سے سرتابی نہیں کریں گی'' ...... ﴿فَبَایِعۡهُنَّ﴾ ''تو (اے نبیؐ!) اُن کی بیعت قبول فرمائیے'' ...... ﴿وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ﴾ ''اور اللہ سے اُن کے لیے بخشش طلب کیجیے'' ...... ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

سورۃ الممتحنۃ کی اِس آیت میں بیعت النساء یعنی اُس بیعت کے الفاظ مذکور ہیں جو نبی اکرم ﷺ خواتین سے لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے کئی مواقع پر مردوں سے بھی بیعت لی' لیکن ایسی کسی بیعت کے الفاظ قرآنِ حکیم میں نقل نہیں ہوئے۔ خواتین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُن کی بیعت کے الفاظ قرآنِ حکیم میں بھی نقل کر دیے گئے۔

ہمارے سامنے قرآنِ حکیم کے چار مقامات آ چکے ہیں جن میں بیعت کا لفظ آیا ہے۔ ان میں سے سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۱ بیعت کی اصل حقیقت کو واضح کر رہی ہے اور تین آیات میں لفظ بیعت کا ایک اصطلاح کے طور پر ذکر ہے۔ قرآنِ حکیم میں چند ایسے مقامات بھی ہیں جہاں بیعت کی اصطلاح کا ذکر نہیں لیکن سمع وطاعت کے نظم کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

(۱) سورۃ التغابن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِیۡعُوۡا﴾ (آیت ۱۶)

''پس اللہ کی نافرمانی سے بچو اپنی امکانی حد تک اور سنو اور اطاعت کرو۔''

اِس آیت پر عمل اُسی وقت ممکن ہے جبکہ کوئی ہمارا امیر ہو اور ہم اُس کا حکم سنیں اور پھر اُسے بجا لائیں۔ صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کا حکم سن کر اطاعت کرتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں امارت کا منصب خلفاء کو حاصل تھا۔ لیکن خلافت کے خاتمہ کے بعد اِس حکم پر عمل کی ایک ہی صورت ہے کہ احیائے خلافت کے لیے کوشش کرنے والی جماعت کے امیر کے حکم کو سنا اور مانا جائے۔

(۲) سورۃ البقرۃ رکوع ۳۲ اور ۳۳ میں حضرت طالوت کی جالوت کے ساتھ جنگ کا تذکرہ ہے۔ حضرت طالوت نے نظم کے اعتبار سے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ اُنہوں نے اپنے ساتھ چلنے والوں سے کہا کہ راستے میں ایک نہر آ رہی ہے' جس نے بھی اِس سے سیر ہو کر پانی پیا وہ میرے ساتھ آگے نہ جا سکے گا۔ لہٰذا حضرت طالوت کے ساتھ جنگ میں وہی جواں مرد شریک ہوئے جنھوں نے سمع وطاعت کے نظم کا مظاہرہ کیا۔

(۳) سورۂ آل عمران رکوع ۱۳ تا ۱۸ میں جنگِ اُحد پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اِس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شکست کا ذمہ دار اُن حضرات کو قرار دیا جنھوں نے اپنے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے حکم کو نہ مانا اور پہاڑی درّہ چھوڑ کر نیچے آ گئے۔ ۳۵ ساتھیوں نے سمع وطاعت کا نظم توڑا' لہٰذا فتح شکست میں بدل گئی اور ۷۰ صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔

(۴) سورۃ النمل میں ملکہ سبا کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ ملکہ نے جب اپنے ماتحت سرداروں کے سامنے حضرت سلیمانؑ کے خط اور اُن کی طرف سے اُن کے دربار میں پیش ہونے کے حکم کا ذکر کیا تو سرداروں کا جواب سمع وطاعت کے نظم کے عین مطابق تھا:

﴿نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّۃٍ وَّ اُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ ۬ۙ وَّ الۡاَمۡرُ اِلَیۡکِ فَانۡظُرِیۡ مَاذَا تَاۡمُرِیۡنَ﴾ (آیت ۳۳)

''ہم بڑے زور آور اور جنگجو ہیں' اب معاملہ آپ کے اختیار میں ہے' آپ دیکھئے کہ کیا حکم دینا چاہتی ہیں''۔

بیعت کی اساس' احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

قرآنِ حکیم کے علاوہ کئی احادیثِ مبارکہ میں بھی نظمِ جماعت کے لیے بیعت کی اساس پر زور دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا اللہ کے رسول ﷺ کو وہ فرما رہے تھے:

((مَنْ خَلَعَ یَدًا مِّنْ طَاعَةٍ لَقِیَ اللّٰهَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَّاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً))[۱]

''جس نے امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ روزِ قیامت اللہ سے اِس طرح ملے گا کہ اُس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی' اور جو کوئی مرگیا اِس حال میں کہ اُس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اسلام سے قبل کا دور' دورِ جاہلیت کہلاتا ہے۔ اسلام کے آنے کے بعد تو اب تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

i) اسلام غالب ہو اور تمام مسلمانوں نے خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر بیعت کر رکھی ہو۔

ii) اسلام مغلوب ہو۔ اِس صورت میں ہر مسلمان کو کسی ایسی جماعت کے امیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس جماعت میں شامل ہونا چاہیے جو پھر سے اسلام کو غالب کرنے کی کوشش کر

رہی ہو۔

iii) اسلام مغلوب ہو اور کوئی جماعت ایسی موجود نہ ہو جو پھر سے غلبۂ دین کے لیے کوشاں ہو‘ یا جماعت تو موجود ہو لیکن جماعت کے امیر یا جماعت کے طریقہ کار سے اہم نوعیت کا اختلاف ہو۔ ایسی صورت میں اختلاف کرنے والے فرد کو چاہیے کہ خود داعی بن کر کھڑا ہو اور لوگوں کو اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرے۔

(۲) حضرت حارث الاشعریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ اللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْھِجْرَةِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۲)

’’میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں‘ مجھے اللہ نے ان کا حکم دیا ہے: جماعت اختیار کرنے کا‘ سننے کا‘ اطاعت کرنے کا‘ ہجرت کرنے کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا۔‘‘

اِس حدیث کے آخر میں ہجرت اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ہجرت اور جہاد دونوں کے درجات ہیں۔ ایک حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں افضل ہجرت ہر اُس کام کو ترک کر دینا ہے جو اللہ کو ناپسند ہو۔ اعلیٰ ہجرت یہ ہے کہ جب کسی معاشرے میں بُرائی کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ظالمانہ نظام کے محافظ اُن کی جانوں کے دشمن ہو جائیں اور پھر اُنہیں اپنی اِس سرزمین سے ہی ہجرت کرنی پڑ جائے۔ اسی طرح افضل جہاد ہے نفس کے خلاف کوشش تاکہ اُسے شریعت پر عمل کا پابند کیا جا سکے۔ اعلیٰ جہاد اُس وقت ہوتا ہے جب اتنی قوت فراہم کر دی جائے کہ دشمن جہاد کرنے والوں کو کچلنے کے لیے میدان میں آ جائے اور جہاد قتال میں بدل جائے۔ ظلم اور منکرات کے خلاف منظّم اجتماعی جدوجہد کے بغیر اعلیٰ ہجرت اور اعلیٰ جہاد کے مراحل آ ہی نہیں سکتے۔ اِسی لیے اِس حدیث میں پہلے جماعت کے التزام کا حکم دیا گیا اور جماعت کا نظم یہ بتایا گیا کہ سنو اور مانو۔ اس کے بعد ہجرت و جہاد کا ذکر ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ))(۳)

’’جس نے میری اطاعت کی پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی‘ اور جس نے میری نافرمانی کی پس اُس نے اللہ کی نافرمانی کی‘ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی‘ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔‘‘

ایک متفق علیہ یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں آنے والی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عمومی طور پر فرمایا:

((مَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ))(۴)

’’جو امیر کی اطاعت کرتا ہے اُس نے میری اطاعت کی‘ اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے اُس نے میری نافرمانی کی‘‘۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں لفظ ’’اَمِیْرِیْ‘‘ کے بجائے ’’اَلْاَمِیْرَ‘‘ ہے‘ اِس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد امارت کو ایک ادارے (institution) کی حیثیت حاصل ہونی تھی۔ اب یہ تو نہیں ہے کہ ہر ایک کو اِمارت کا پروانہ آپ ﷺ ہی سے ملے گا‘ بلکہ وہ نظم کہ جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کی بجا آوری کے لیے قائم کیا جا رہا ہے‘ اِس میں اصلاً اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو مطاع مانا گیا ہے۔ اب اِس میں جو بھی نصبِ امارت ہو گا اُس میں بھی نظم کی پابندی درحقیقت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا مظہر ہو گی۔ پھر اس حدیثِ مبارکہ میں ماضی کے بجائے مضارع یعنی حال اور مستقبل کے زمانوں کا ذکر ہے۔ گویا قیامت تک جو امیر کی اطاعت کرے گا وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے گا اور جو امیر کی نافرمانی کرے گا وہ دراصل رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرے گا۔ ہاں امیر کی اطاعت صرف معروف کے دائرے میں ہو گی۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ))(۵)

’’مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں اگر اس سے خالق کی نافرمانی ہو‘‘۔

(۴) اِنَّهٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِطَاعَةٍ(۶)

’’یقیناً اسلام ہے ہی نہیں بغیر جماعت کے‘ اور جماعت ہے ہی نہیں بغیر امارت کے‘ اور امارت ہے ہی نہیں بغیر (امیر کے احکامات کی) اطاعت کے۔‘‘

یہ حضرت عمرؓ سے مروی موقوف حدیث ہے‘ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ غیر جماعتی زندگی دراصل غیر اسلامی زندگی ہے۔ پھر اصل میں وہی اجتماعیت‘ جماعت کہلانے کی حقدار ہے جس کا ایک امیر ہو اور اُس امیر کی اطاعت کی جا رہی ہو۔

بیعت کی اساس، سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ رسول اور اُمتی کا رشتہ انسانی زندگی کا اہم ترین رشتہ ہے۔ کسی ہستی کو رسول مان لینے کے بعد اُس کے ہر حکم کی اطاعت لازم ہے اور نافرمانی سے انسان کا ایمان ہی معتبر نہیں رہتا۔ سورۃ الاحزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾﴾

''اور جائز نہیں ہے کسی مؤمن مرد اور عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اُس کے رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اب اُن کے لیے کوئی اختیار رہ جائے اُن کے اُس معاملہ میں۔ اور جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کی پس وہ تو بالکل واضح طور پر بھٹک گیا۔''

لہٰذا نبی کریم ﷺ کو اِس کی ضرورت نہ تھی کہ اپنے اُمتیوں سے سمع و طاعت کی بیعت لیں۔ لیکن آپ ﷺ نے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک سنت جاری فرمائی اور مختلف مواقع پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی۔

مکی دَور میں اہلِ مکہ میں سے جو لوگ اسلام لائے، سیرت میں ہمیں اُن سے کسی بیعت کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اگر کوئی شخص باہر سے آیا اور اس نے آ کر اسلام قبول کیا تو اُس سے بیعت لینے کا ذکر روایات میں موجود ہے۔ تاہم مدنی دور میں آپ ﷺ کا کئی مواقع پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لینے کا ذکر روایات میں موجود ہے۔

امام نسائیؒ نے اپنے مجموعۂ حدیث کی جلد دوم ''کِتَابُ الْبَيْعَةِ'' میں نبی اکرم ﷺ کی مختلف عنوانات سے مندرجہ ذیل دس بیعتوں کا ذکر کیا ہے:

i) البیعة علی السمع والطاعة
ii) البیعة علی الاثر
iii) البیعة علٰی ان لا ننازع الامر اهله
iv) البیعة علی الموت
v) البیعة علی القول بالحق
vi) البیعة علی القول بالعدل
vii) البیعة علی النصح لکل مسلم
viii) البیعة علی ان نفر
ix) البیعة علی الجهاد
x) البیعة علی الهجرة

بلا شبہ آپ ﷺ نے کئی مواقع پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی، لیکن بنیادی طور پر اہمیت دو بیعتوں کی ہے۔ ایک ہے بیعتِ اسلام یعنی بیعتِ عقبہ اُولیٰ اور دوسری ہے بیعتِ سمع و طاعت، یعنی بیعتِ عقبۂ ثانیہ۔

سن ۱۲ نبویؐ میں نبی اکرم ﷺ نے عقبہ کے مقام پر مدینہ سے آنے والے بارہ افراد سے بیعت لی، اِسے بیعتِ عقبہ اُولیٰ کہتے ہیں۔ اِس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک سال قبل حج کے دنوں میں مدینہ سے آنے والے چھ افراد ایمان لائے تھے۔ اُنہوں نے مدینہ جا کر دوسروں کو بھی ایمان کی دعوت دی اور سن ۱۲ نبویؐ میں مجموعی طور پر بارہ ساتھی مدینہ سے آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اِنہی سے آپ ﷺ نے بیعت لی۔ اِس بیعت کے الفاظ تقریباً وہی تھے جو کم و بیش دس برس بعد بیعت النساء کے ضمن میں نازل ہوئے اور ابھی ہم نے سورۃ الممتحنۃ کی آیت ۱۲ میں پڑھے ہیں۔ گویا اِس بیعت میں کسی نظمِ جماعت کا ایک بیج تو موجود ہے، حکم ماننے کا اقرار ہو رہا ہے کہ جو بھی نیکی کی بات آپ ﷺ فرمائیں گے ہم مانیں گے، لیکن اِس میں نظمِ جماعت، سمع و طاعت اور اس کے مختلف لوازم کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ البتہ جس طرح بیج کے اندر پورا پودا موجود ہوتا ہے اِسی طرح یہ لوازم اِسی بیعت میں بالقوۃ (potentially) موجود تھے۔ بعد میں بیعتِ ارشاد کے لیے اِسی بیعت سے رہنمائی حاصل کی گئی۔ اِس بیعت میں شرک، چوری، بدکاری، قتلِ اولاد اور بہتان طرازی سے اجتناب کا عہد ہے۔

سن ۱۳ نبویؐ میں آپ ﷺ نے اہلِ مدینہ سے جو بیعت لی، اُسے بیعتِ عقبۂ ثانیہ کہتے ہیں۔ بیعتِ عقبہ اُولیٰ کے موقع پر اہلِ مدینہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں اپنا کوئی ایسا ساتھی دیجیے جو ہمیں قرآن پڑھا سکے۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اُن کے ساتھ روانہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عبداللہ بن اُم مکتومؓ کو بھی بھیج دیا۔ اِن دونوں حضرات کی تعلیم اور تبلیغ سے سن ۱۳ نبویؐ میں ۷۲ مَرد اور ۳ خواتین مکہ حاضر ہوئے۔ آپؐ نے باقاعدہ اُن کے درمیان ایک نظم قائم فرمایا، بارہ نقیب مقرر فرمائے اور بیعتِ عقبہ ثانیہ لی۔ یہ بیعت سرتاسر نظمِ جماعت کی بیعت ہے۔

یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ ایک حقیقی قائد کو اپنی اطاعت کے لیے بیعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ساتھی اُس کے حکم پر نہیں بلکہ اشارہ پر ہی جان نچھاور کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ بیعت کی ضرورت دراصل ایک نظامِ اطاعت کے لیے ہوتی ہے، جہاں معاملہ ذیلی منصب داروں کی

اطاعت کا ہوتا ہے۔ مکہ میں نبی اکرم ﷺ بنفسِ نفیس موجود تھے' لہٰذا آپ ﷺ نے مکی دور میں مکہ والوں سے بیعت نہیں لی۔ البتہ اہل مدینہ کے لیے معاملہ صرف آپ ﷺ کی اطاعت کا نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کے مقرر کردہ نقباء کی اطاعت کا بھی تھا۔ مدینہ میں دعوت وتربیت کے امور کے نگران یہی نقباء تھے۔ اہل مدینہ کو اِن کی اطاعت کرنا تھی۔ قائد کے علاوہ کسی ذیلی امیر کی اطاعت طبیعت پر ناگوار گزرتی ہے' لیکن نظم اُسی وقت مثالی اور مفید ہوسکتا ہے جب اِس اطاعت کا بھی پورے جذبہ کے ساتھ اہتمام کیا جائے۔ اِس نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے اب ذرا بیعتِ عقبہ ثانیہ کے الفاظ پر غور کیجیے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَن لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَن نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وفی روایة : **وَعَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ** (۷)

''ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی' سننے اور اطاعت کرنے کی' مشکل اور آسانی میں' دلی آمادگی اور ناگواری میں (یعنی موڈ ہو یا نہ ہو) اور خواہ کسی کو ہم پر ترجیح دے دی جائے (یعنی ہم پر امیر بنا دیا جائے) اور یہ کہ ہم ذمہ دار حضرات سے نہیں جھگڑیں گے' اور یہ کہ ہم جہاں کہیں ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے' اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے: اور یہ کہ ہم ذمہ دار حضرات سے نہیں جھگڑیں گے سوائے اِس کے کہ تم دیکھو (صاحبِ امر کی طرف سے) کوئی کھلم کھلا کفر' جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو۔''

بیعتِ عقبہ ثانیہ کے الفاظ میں ایک مضبوط نظم قائم کرنے کے لیے ایک حصار قائم کر دیا گیا ہے اور بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا گیا۔ اِس کے مظاہر حسبِ ذیل ہیں:

۱) عہد کیا جا رہا ہے کہ ہم حکم سنیں گے اور مانیں گے' چاہے مشکل ہو یا آسانی' مالی اعتبار سے تنگی ہو یا خوشحالی' کوئی ناراض ہو یا خوش' ہم ہر صورت میں سمع وطاعت پر کاربند رہیں گے۔

۲) طبیعت میں آمادگی ہو یا ناگواری' ہم نظم کی پابندی کریں گے۔ انسان جب کسی چیز سے متفق ہوتا ہے تو اِس کے لیے کام کرنے میں طبیعت آمادہ ہوتی ہے۔ کسی معاملہ کا فیصلہ اُس کی رائے کے مطابق ہو تو آمادگی ہوگی۔ اگر فیصلہ برعکس ہو تو ناگواری۔ مضبوط نظم کی روح یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں پورے خلوص اور جذبہ کے ساتھ فیصلہ کو درست ثابت کرنے کے لیے فعال کردار ادا کیا جائے۔ اگر آدمی طے کر لے کہ فیصلہ میری مرضی کے مطابق ہوگا تو ساتھ دوں گا ورنہ نہیں' تو یہ جماعتی اعتبار سے منافقت ہے۔ اِس کی سب سے نمایاں مثال غزوۂ اُحد میں سامنے آئی جب عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ یہ کہہ کر واپس لوٹ گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں خطرے میں کیوں ڈالیں؟ اُس کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر محصور ہو کر دفاع کیا جائے' جبکہ آپ ﷺ نے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کا فیصلہ فرمایا تھا۔ عبداللہ بن اُبی کا کہنا تھا: ''**هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ**......'' ہمارے ہاتھ میں بھی کوئی اختیار ہے کہ نہیں؟ فیصلہ کرتے ہوئے ہماری بات نہیں مانی گئی لہٰذا ہم ساتھ نہیں دیں گے!! یہ ہے وہ چیز جس کا سدباب کیا گیا اِن الفاظ میں کہ چاہے ہماری طبیعت میں نشاط ہو یا ہمیں اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑے ہم حکم سنیں گے اور مانیں گے۔

۳) عہد کیا جا رہا ہے کہ چاہے ہم پر کسی کو بھی ترجیح دے کر امیر بنا دیا جائے ہم اطاعت کریں گے۔ یہ جماعتی زندگی میں نظم کی لڑی (chain) ہوتی ہے۔ جماعت کا امیر مختلف امور کے لیے ذمہ داران کا تقرر کرتا ہے اور کچھ لوگ اُن کے مامور ہوتے ہیں۔ سوائے جماعت کے امیر کے باقی ذمہ داران امیر بھی ہوتے ہیں اور مامور بھی۔ اپنے سے نیچے والوں کے امیر اور اپنے سے اوپر والے کے مامور۔ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ میں زیادہ باصلاحیت ہوں اور مجھ پر کم صلاحیت والے کو کیوں امیر بنا دیا گیا ہے؟ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا خود پسندی' تکبر اور انانیت کا مظہر ہے' جس سے بچنے کی شعوری کوشش کرنی چاہیے۔ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ چاہے تم پر ایک حبشی غلام کو امیر بنا دیا جائے پھر بھی اُس کی اطاعت کرو۔ بخاری ومسلم کی یہ روایت اِس سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جو امیر کی اطاعت کرتا ہے اُس نے میری اطاعت کی اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے اُس نے میری نافرمانی کی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کا امتحان اِس طرح لیا کہ نوجوان صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک لشکر کا امیر بنا دیا۔ اُن کے مامورین میں کئی ایسے صحابہؓ تھے جو عمر اور تجربہ میں اُن سے کہیں زیادہ پختہ تھے۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں تھا کہ امیر بنانے کا کوئی معیار' ضابطہ اور قانون ہونا

چاہیے‘ یہ کیا ہے کہ بس ایک شخص پسند آ گیا اور اُس کو امیر بنا دیا۔ اِس طرح کے انتشار پیدا کرنے والے فتنہ کا سدباب بیعت کے اِن الفاظ کے ذریعہ کر دیا گیا کہ چاہے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے پھر بھی ہم سمع و طاعت پر کاربند رہیں گے۔

۴) یہ عہد کیا جا رہا ہے کہ ہم اصحابِ امر سے جھگڑیں گے نہیں۔ البتہ ایک روایت میں ہے کہ اگر صاحبِ امر کی طرف سے کوئی کھلم کھلا کفر کا معاملہ ہو جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو تو پھر جھگڑا کیا جا سکتا ہے۔ معمولی اختلافات‘ تعبیر کے فرق یا تدبیر میں اختلافِ رائے کی بنیاد پر کوئی جھگڑا کرنا اور جماعت میں انتشار پیدا کرنا بیعت کی خلاف ورزی شمار ہوگا۔

۵) بیعت کے اگلے الفاظ ہیں کہ ہم حق بات ضرور کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں‘ اور ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ اِن الفاظ کے ذریعے عقیدت کی بنیاد پر سمع و طاعت میں غلو کا راستہ بند کر دیا گیا۔ اِسی غلو سے شخصیت پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اندھے‘ بہرے اور گونگے بن کر نہیں چلنا۔ اپنی سوچ اور عقل پر پہرے نہیں بٹھانے۔ اللہ نے جو استعدادات دی ہیں‘ اُن کو بھرپور طریقے پر استعمال کرنا ہے۔ اِن کی روشنی میں جو رائے بنے اُس کے بیان کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرنی‘ نہ کسی کے رُعب یا عقیدت کو رکاوٹ بننے دینا ہے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کے خوف سے اپنی زبانوں پر تالے ڈالنے ہیں۔

اسلامی نظمِ جماعت میں اظہارِ رائے یا مشورہ دینا حق نہیں بلکہ فرض ہے۔ اگر کوئی رائے ہے تو ضرور دی جائے لیکن اِس کے بعد اپنی رائے منوانے پر اصرار نہ کیا جائے۔ اپنی بات منوانے پر اصرار تو عبداللہ بن اُبی کا طرزِ عمل ہے۔ رائے دی‘ فرض ادا ہو گیا اور انسان عنداللہ بری ہو گیا۔ اب معاملہ صاحبِ امر کا ہے۔ اُس نے ساتھیوں کو گن کر نہیں بلکہ تول کر فیصلہ کرنا ہے۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں اسلامی نظمِ جماعت کے جتنے بھی دستوری تقاضے ہیں سب کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ نظم اور ڈسپلن کے اعتبار سے بیعت کرنے والوں کو اِس طرح پابند کیا گیا ہے کہ کہیں کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑا گیا۔ دین کے غلبہ کا کٹھن کام کرنا ہے تو اِس کے لیے ایک مضبوط نظم والی جماعت چاہیے۔ اِس نظم کے لیے کامل رہنمائی یہ حدیثِ مبارکہ فراہم کر رہی ہے۔ اِس حدیث کا تو ایک ایک لفظ ہم میں سے ہر رفیق کو زبانی یاد ہونا چاہیے اور اِس میں بیان شدہ تقاضوں کا پورا شعور ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنی اجتماعی ہیئت کو بالکلیہ اِس پوری حدیث کے سانچے میں ڈھالنا چاہیے اور اب بالکلیہ اسی بیعت کے نظام پر اپنے پورے ڈسپلن اور اپنے پورے ڈھانچے کو کھڑا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نظمِ اجتماعی کا شعور اور صحابہ کرامؓ

سن ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب سے قبل صحابہ کرامؓ خندق کھودنے کا انتہائی پُرمشقت کام کر رہے تھے‘ لیکن اپنے جذباتِ دینی کو تقویت دینے کے لیے باہم مل کر یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا(۸)

’’ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے محمدﷺ سے جہاد کی بیعت کی۔ اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک ہمارے جسم و جان کا رشتہ برقرار ہے۔‘‘

صحابہ کرامؓ کے اندر اِس نظم کا شعور اِس قدر پیدا ہو چکا تھا کہ ہر شخص ہر وقت یہ نوٹ کرتا کہ اِس وقت میں کس حیثیت میں ہوں اور دوسرا شخص کس حیثیت میں ہے؟ آیا ہم‘ ہم مرتبہ (equi-status) ہیں اور کوئی تیسرا ہمارا امیر ہے‘ ہم دونوں اُس کے تابع ہیں یا یہ کہ میں امیر ہوں اور یہ مامور ہے‘ یا یہ کہ وہ امیر ہے‘ میں مامور ہوں؟ نظم کے اعتبار سے یہ تین مختلف حیثیتیں ہیں‘ اور ایک انسان ہر معاملے میں‘ جو بھی اقدام وہ کر رہا ہے یا زبان سے جو بھی لفظ نکال رہا ہے‘ اُس کا رویہ اگر اِس شعور کے تحت نہیں ہوگا تو سارا نظم تہ و بالا ہو جائے گا۔ ایک نظمِ جماعت کے ساتھی ہونے کے اعتبار سے یقیناً سب برابر ہیں‘ لیکن جب امر قائم ہوا ہے‘ صاحبِ امر کا نصب ہو گیا ہے‘ اب وہ امیر ہے اور آپ مامور ہیں۔ جیسے انسان ہونے کے ناتے مرد و زن یقیناً برابر ہیں۔ شرفِ انسانیت کے اعتبار سے عورت گھٹیا نہیں ہے‘ لیکن جب ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہوا ہے تو اِن کے مابین محض مرد اور عورت کی نسبت نہیں رہی‘ اب شوہر اور بیوی کی نسبت ہے۔ یہاں قرآنی ہدایت ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ کا اطلاق ہوگا۔ اب معاملہ بالکل بدل گیا‘ نوعیت تبدیل ہو گئی‘ نسبت اور ہو گئی۔

اِسی طرح تمام رفقاء آپس میں برابر ہیں‘ لیکن جب کوئی صاحب امیر بنا دیے گئے تو اب امیر اور مامور کی جو ایک نسبت قائم ہو جاتی ہے‘ اِس کا تعین اور پاس ہونا چاہیے۔ اِس کی نمایاں

ترین مثال ایک واقعہ ہے جو اِس بات کا مظہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ڈسپلن کا کیسا شعور صحابہ کرامؓ میں پیدا کیا تھا۔ یہ واقعہ امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ سن ۹ ھ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر قافلہ روانہ فرما دیا۔ قافلہ روانہ ہو چکا تھا کہ سورۃ التوبۃ کی ابتدائی چھ آیات نازل ہوئیں، جن میں تیسری آیت کے الفاظ یہ ہیں: ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ......﴾ یعنی حج اکبر کے دن اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے یہ اعلان (proclamation) لوگوں کے سامنے کر دیا جائے۔ اعلان یہ تھا کہ مشرکین سے تمام معاہدات ختم کیے جاتے ہیں، اب اُن کے لیے معینہ عرصہ کی مہلت ہے، اسلام قبول کر لیں یا اسلامی حکومت کی سرحدوں سے نکل جائیں، ورنہ اُنہیں قتل کر دیا جائے گا۔ عربوں کے دستور کے مطابق یہ اعلان اُسی صورت میں مؤثر (valid) ہوتا جبکہ آپ ﷺ کا کوئی انتہائی قریبی رشتہ دار یہ اعلان کرتا۔ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے حضرت علیؓ کو بھیجا اور اُن کے ذمے لگایا کہ اجتماعِ حج میں سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیات کو پڑھ کر سنا دیں۔

جب حضرت علیؓ آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا اور اُن سے پہلا سوال یہ کیا: ''اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟'' یعنی مجھے پہلے یہ بتا دیجیے کہ آپ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں یا مامور کی حیثیت سے؟ مجھے اپنی حیثیت بھی معلوم ہونی چاہیے اور آپ کی حیثیت بھی۔ اگر نبی اکرم ﷺ نے مجھے معزول کر کے آپ کو امیر بنایا ہے تو میں حاضر ہوں، امارت سنبھالیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بھی مجھے معلوم ہونا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''مَاْمُوْرٌ!'' یعنی میں امیر بنا کر نہیں بھیجا گیا، امیر آپ ہی ہیں، میں مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ صرف ایک خاص کام میرے ذمے لگایا گیا ہے، وہ میں کروں گا۔ یہ ہے نظم اور ڈسپلن کا احساس!

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام کے محاذ پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو سپہ سالار بنا دیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے یہ نہیں کہا کہ اچھا جی اب مجھے رخصت دیجیے، جو شخص میرے ماتحت رہا ہے میں اُس کے ماتحت رہ کر اب کیسے کام کروں گا؟ یہ ہے اُس تربیت کا نتیجہ جو محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے کی تھی۔ ہر فرد کے پیشِ نظر یہی تھا کہ مجھے اپنا فرض ادا کرنا ہے، خواہ امیر کی حیثیت سے ہو یا مامور کی حیثیت سے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک ایسے معاشرے میں کام کا آغاز کیا جہاں کوئی نظم اور ڈسپلن نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے ایک ایسی قوم تھی جسے قرآنِ حکیم میں ''قَوْمًا لُّدًّا'' (جھگڑالو قوم) کہا گیا ہے۔ وہاں کوئی کسی کی بات نہ سنتا تھا اور نہ کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہوتا تھا۔ اُس قوم میں آپ ﷺ نے ڈسپلن کا یہ احساس پیدا کیا اور رہتی دنیا تک اُن کے نظم کو ایک مثالی نظم کا نمونہ بنا دیا۔

بیعت کی اساس اور سلف صالحین کا طرزِ عمل

اُمت کی پوری تاریخ اِس پر گواہ ہے کہ جو بھی اجتماعی ہیئت وجود میں آئی وہاں بیعت کا نظام اختیار کیا گیا۔ اجتماعیت کی بلند ترین صورت حکومت کا قیام ہے، وہ بھی بیعت کی بنیاد پر قائم ہوتی رہی۔ اِس کی خفی ترین صورت سلسلۂ ارشاد و اصلاح ہے، اِس کے لیے بھی بیعت کا نظام رائج ہے۔ کبھی حکومت کے خلاف بغاوت کی تحریک اٹھی تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر اٹھی۔ چنانچہ اجتماعیت درحقیقت جس شے کا نام ہے وہ اسلام میں بیعت ہی کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔

بلاشبہ اجتماعیت کے قیام کے لیے بیعت کی اساس ماثور ہے، یعنی سلف صالحین سے اِسی اساس کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ یہ اصول طے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جائے گی وہ بیعت سمع وطاعت فی المعروف ہوگی۔ یعنی صرف ایسے احکامات میں امیر کی اطاعت کی جائے گی جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو نبی اکرم ﷺ نے بھی امیر مقرر کیا ہو تو اُس کی اطاعت بھی فی المعروف ہوگی۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دستہ کسی مہم پر بھیجا، اُن کے امیر جلالی مزاج کے آدمی تھے، اپنے ساتھیوں سے کسی بات پر ناراض ہو گئے تو اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے اُنہیں بہت بڑا گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ ساتھیوں نے گڑھا کھود دیا۔ اب حکم دیا کہ اِس میں لکڑیاں ڈالو۔ اُنہوں نے لکڑیاں ڈال دیں۔ حکم دیا کہ لکڑیوں کو آگ لگاؤ۔ اُنہوں نے آگ لگا دی۔ یہاں تک تو اطاعت ہو رہی ہے۔ لیکن اِس کے بعد اُنہوں نے حکم دیا کہ اِس آگ میں کود جاؤ! اِس حکم پر عمل کرنے سے ساتھیوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اِسی آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھاما تھا، آپ کے حکم پر اِس آگ میں ہم کیسے کود جائیں؟ بعد میں یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُنہوں نے ٹھیک کیا۔ اگر وہ اُس آگ میں کود جاتے تو پھر آگ ہی میں رہتے۔ یعنی جہنم میں داخل ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے اِس لیے یہ بات فرمائی کیونکہ امیر کا

حکم فی المعروف نہیں تھا بلکہ یہ تو خودکشی یعنی منکر کا حکم تھا۔ ایسے حکم کی اجازت کسی صاحبِ امر کو نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا چاہے کوئی آپ ﷺ کا مقرر کردہ امیر ہو' اُس کی اطاعت بھی فی المعروف ہوگی' مطلق نہیں۔ مطلق اطاعت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ بعض اوقات بیعت لیتے ہوئے نرمی کا اظہار فرماتے اور ''فِی الْمَعْرُوْف'' یا ''فِیْ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' کے الفاظ کا اضافہ فرما دیا کرتے تھے کہ اپنی امکانی حد تک اِس بیعت پر قائم رہو گے۔ البتہ اصولی طور پر محمد ﷺ آخری انسان تھے جن کی اطاعت مطلق تھی' اِن کے بعد کسی کی اطاعت مطلق نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی اطاعت مطلق نہیں ہے تو اور کس کی ہوگی؟

بیعت کے نظم کو اختیار کرنے کے حوالے سے سلف صالحین کے طرزِ عمل کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱) خلافتِ راشدہ میں چاروں خلفاء کی خلافت بیعت سمع و طاعت کے نظم پر قائم ہوئی۔
۲) دورِ ملوکیت میں حکمران خود کو خلیفہ کہلواتے رہے اور عوام سے بیعت لیتے رہے۔
۳) دورِ ملوکیت میں حکومت کے خلاف تحریکیں بیعت کی اساس پر اُٹھائی گئیں۔ جن اصحاب نے یہ تحریکیں برپا کیں وہ حسبِ ذیل ہیں:
i) حضرت حسینؓ بن علیؓ' شہادت ۶۱ ہجری' دورِ بنی اُمیہ
ii) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ' شہادت ۷۳ ہجری' دورِ بنی اُمیہ
iii) حضرت زید بن علی بن حسینؓ' شہادت ۱۲۱ ہجری' دورِ بنی اُمیہ
vi) حضرت محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ)' شہادت ۱۴۵ ہجری' دورِ بنی عباس
vii) حضرت حسین بن علیؓ' شہادت ۱۷۰ ہجری' دورِ بنی عباس
۴) دورِ ملوکیت میں صوفیاء نے لوگوں کی رُشد و اصلاح کے لیے بیعتِ ارشاد کی بنیاد پر تصوف کے سلسلوں کا آغاز کیا۔
۵) دورِ غلامی میں غیر مسلم حکومتوں کے خلاف آزادی اور احیائے اسلام کی تحریکیں بیعت کی اساس پر چلائی گئیں۔ لیبیا میں سنوسی تحریک' سوڈان میں مہدی تحریک' نجد میں وھابی تحریک اور برعظیم پاک و ہند میں تحریک شہیدین کی اساس بیعت پر تھی۔
۶) بیسوی صدی عیسوی میں احیائے دین کے لیے جو تحریکیں شروع ہوئیں اُن میں مصر کی الاخوان المسلمون (امیر حسن البناء شہیدؒ) اور برعظیم پاک و ہند میں حزب اللہ (امیر مولانا ابوالکلام آزاد) کی بنیاد بیعت پر رکھی گئی۔

۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے تجویز پیش کی کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند مان کر اُن کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی جائے' لیکن بعض وجوہات کی بنا پر اِس تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔

دسمبر ۱۹۹۴ء میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی کتاب ''علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین'' شائع ہوئی۔ اِس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے انکشاف کیا اور شواہد پیش کیے کہ علامہ اقبال بھی اپنی زندگی کے آخری دور میں جمعیت شبان المسلمین کے نام سے ایک جماعت بنانا چاہتے تھے جس کی اساس بیعت کے اصول پر قائم کرنے کا ارادہ تھا اور جس کا مقصد دینِ اسلام کا احیاء تھا۔

(ملاحظہ فرمایئے علامہ اقبال کی آخری خواہش' مؤلف: حافظ عاکف سعید)

حرفِ آخر:

دنیا میں کوئی نظام یا ادارہ چل ہی نہیں سکتا جب تک کہ اُس میں کوئی ایک ایسا عہدیدار یا کاڈر (cadre) موجود نہ ہو جس کا فیصلہ حتمی یا حرفِ آخر ہو۔ ایک ادارے میں ڈائریکٹرز کئی ہو سکتے ہیں لیکن مینیجنگ ڈائریکٹر ایک ہی ہوتا ہے۔ پھر کسی بھی اجتماعیت کے نظم کا تعلق اُس کے کام اور ہدف سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اجتماعیت محض خدمتِ خلق' تبلیغ' تدریس' نشر و اشاعت وغیرہ کے لیے بنی ہے اور جس میں کسی قوت سے عملی ٹکراؤ کی نوبت آنے کا امکان نہیں' وہاں ڈھیلا ڈھالا نظم بھی چل سکتا ہے۔ البتہ جہاں معاملہ انقلابی نوعیت کا یعنی نظام کی تبدیلی کا ہو اور کسی دشمن سے ٹکراؤ کا اندیشہ بھی ہو وہاں تو سمع و طاعت ہی کا نظم نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آرمی ڈسپلن کے لیے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں:

Their's Not to Reason Why
Their's But to Do and Die

دنیا میں آج تک جتنے بھی اہم اور قابل ذکر کام ہوئے اُن کے پیچھے کسی ایک ہی شخصیت کی رہنمائی و قیادت اور ساتھیوں کی طرف سے اُس کی دل و جان سے اطاعت ہمیں نظر آتی ہے۔ بقول مولانا مودودیؒ:

''کوئی تحریک اِس کے بغیر نہیں چل سکتی کہ اُس کو ایک شخصیت لے کر چلے جسے تحریک

کے اندر بھی دلوں اور دماغوں پر غیر معمولی اثر حاصل ہو اور تحریک کے گرد وپیش عام پبلک میں بھی اُس کے اثرات پھیلتے چلے جائیں۔ دینی تحریک ہو یا دنیوی' ایک شخصیت کے بغیر اِس کا کام نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اسلامی تحریک کے لیے انبیاء کی شخصیتیں سامنے لا کر رکھ دیں اور اُن کا غیر معمولی وزن اپنی مشیت ہی سے نہیں' اپنے احکام سے بھی قائم کیا۔ انبیاء کے بعد جب اور جہاں بھی کوئی دینی تحریک اُٹھی ہے ایک شخصیت کے بل پر اُٹھی ہے' اور بڑی بڑی شخصیتوں نے کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں بلکہ خدا کے دین کی خاطر یہ ایثار کیا ہے کہ اپنا سارا وزن اُس کے وزن میں شامل کر کے اُس کا وزن بڑھایا اور گرد وپیش کی دنیا میں اِس کا اثر قائم کیا''۔

(اقتباس از تحریک جماعتِ اسلامی کا ایک گمشدہ باب' صفحہ ۳۱۶، مؤلف: ڈاکٹر اسرار احمد)

اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم میں سے ہر فرد کو یہ شعور عطا فرمائے کہ مجھے اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے غلبۂ دین کی جدوجہد کرنی ہے۔ اِس جدوجہد کے لیے اجتماعیت سے جڑنا اور فعال کردار ادا کرنا لازم ہے۔ اب خواہ میں امیر کی حیثیت میں ہوں یا مامور کی' مجھے نظم کی پابندی کرنی ہے۔ مجھے جو حکم ملے گا میں اُس کو بجالانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ میں اجتماعیت میں کسی پر احسان کرنے نہیں بلکہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے شامل ہوا ہوں۔ اللہ مجھے توفیق دے کہ میں نظم کے تقاضے پورے کرتے ہوئے زندگی کے آخری سانس تک اُس کی راہ میں خلوص کے ساتھ اپنا مال وجان لگاتا رہوں۔ آمین!

حواشی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الامثال عن رسول اللہﷺ' باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ ۔ومسند احمد' کتاب مسند الشامیین' باب حدیث الحارث الاشعری عن النبیﷺ۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب قول اللہ تعالیٰ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ۔

(٥) سنن الترمذی' کتاب الجھاد' ترجمۃ الباب مشکاۃ المصابیح' کتاب الامارۃ والقضاء' الفصل الثانی' بحوالہ شرح السُّنّۃ۔ راوی : النوّاس بن سمعانؓ۔

(٦) سنن الدارمی' المقدمۃ' باب فی ذھاب العلم۔

(٧) صحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب کیف یبایع الامام الناس۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ......

(٨) صحیح البخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب التحریض علی القتال۔